"اس کے ساتھ جو کہ" کی بجائے اردو محاورے کے مطابق "اس پر جو کہ" کرنا زیادہ موزوں ہے اور اکثر مترجمین نے یہی کیا ہے۔ تاہم خیال رہے کہ عربی میں "ایمان لانا" کے لئے "آمن علی......" کہنا بالکل غلط ہے[1]۔ انگریزی میں اسی "بِ" کا ترجمہ "//" کی صورت میں ہوگا یعنی "TO BELEIVE IN" یہاں WITH یا AT یا ON کا استعمال بالکل غلط ہوگا۔ ہر زبان کے یہ حروفِ جارہ یا صلات یا PRE-POSITIONS- یکساں استعمال نہیں ہوتے۔ عربی افعال کے "صلات" کا اردو ترجمہ کرتے وقت اس نکتہ کو مدِنظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔

۲:۳:۱(۲) [اُنْزِلَ] کا مادہ "ن ز ل" اور وزن "اُفْعِلَ" ہے۔

اس مادہ سے فعل مجرد نَزَلَ یَنزِلُ نُزُولاً (باب ضرب سے) آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی ہوتے ہیں: "اترنا"، "نیچے آنا"، "اتر آنا"، "نازل ہونا"۔ یعنی یہ فعل ہمیشہ لازم ہوتا ہے۔ اگرچہ کبھی فعل "دخل" کی طرح اس کا مفعول فیہ ساتھ ہی (بنفسہ) مذکور ہوتا ہے۔ اور کبھی "باء (ب)" یا "فی" کے صلہ کے ساتھ بھی آتا ہے۔ مثلاً "نزل المکانَ و بالمکانِ و فی المکانِ".... میں اترنا یا آنا" تاہم مؤخر الذکر استعمال ("فی" کے ساتھ) قرآن کریم میں نہیں آیا ہے۔ اس فعل (ثلاثی مجرد۔ نزل) سے مختلف صیغے قرآن کریم میں چھ (۶) جگہ آئے ہیں جن کی وضاحت اپنی اپنی جگہ ہوگی۔

● "اُنْزِلَ"۔ اس مادہ (نزل) سے باب اِفعال کا فعل ماضی مجہول (یعنی للمفعول) کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔ اس باب سے یہ فعل "اَنزَلَ...... یُنزِلُ اِنزالاً" عموماً متعدی اور بغیر صلہ کے آتا ہے۔ اور اس کے معنی ہوتے ہیں: "......کو نازل کرنا[2]"، "......کو اتارنا"۔ اردو محاورے میں فعل "اتارنا یا نازل

---

[1] فعل "آمن" اور اس کے صلہ کی بحث بھی پہلے ہو چکی ہے دیکھئے ۲:۲:۱(۱)

[2] اس لفظ "نازل" کے اصل معنی تو ہیں "نازل ہونے والا۔ اترنے والا"۔ تاہم اردو میں "نازل ہونا یا کرنا" "اترنا یا اتارنا" کے معنوں میں مستعمل ہے۔

© rasailojaraid.com

کرنا" کا فاعل تو "نے" کے ساتھ مذکور ہوتا ہے، مگر مفعول سے پہلے "کو" لگانا ہمیشہ ضروری نہیں ہوتا۔ مثلاً کہہ سکتے ہیں "اس نے قرآن کو اُتارا" یا "اس نے قرآن اُتارا / نازل کیا"۔ یہاں فعل مجہول کا ترجمہ "اُتارا گیا" یا "اُتاری گئی (کتاب)" ہونا چاہیئے اور اردو کے کم از کم تین مترجمین نے اسی طرح (مجہول) کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔

● تاہم بہت سے مترجمین نے "مَا اُنْزِلَ" کا اردو ترجمہ "جو اترا / نازل ہوا" یا "جو (کتاب) اتری / نازل ہوئی" سے کیا ہے۔ یعنی فعل "متعدی مجہول" کا ترجمہ "لازم معروف" (نَزَلَ) کی طرح کر دیا ہے۔ اسے اردو محاورے کی بنا پر مفہوم ادا کرنے کے لئے ہی درست سمجھا جا سکتا ہے۔ ورنہ یہ اصل الفاظِ نص (عبارت) سے ضرور ہٹا ہوا ہے کیونکہ اس میں نائب الفاعل کو (جو دراصل مفعول ہوتا ہے) فاعل بنا دیا گیا ہے۔

۲:۳:۱ (۳) [اِلَیْكَ] یہ حرف الجر "اِلٰی" اور ضمیر مجرور "كَ" کا مرکب ہے۔ اس ترکیب میں اسے "اِلَاكَ" پڑھنے کی بجائے یائے لینہ کے ساتھ "اِلَیْكَ" پڑھتے ہیں [دیکھئے سورۃ الفاتحہ میں "عَلَیْھِمْ" کا بیان : ۱:۶:۱ (۳)] یہاں بھی صرف چند مترجمین نے "اِلَیْكَ" کا درست لفظی ترجمہ "تیری / آپ کی / تمہاری / طرف" سے کیا ہے۔ بیشتر نے اس کا ترجمہ "آپ / تجھ / تم / پر" کر دیا ہے جو ظاہر ہے "اِلٰی" کا نہیں بلکہ "عَلٰی" کا ترجمہ ہے۔ مفہوم درست سہی مگر اس کے لئے اصل لفظی ترجمہ سے ہٹنے کا کوئی تقاضا بھی تو موجود ہونا چاہیئے۔

[وَمَا اُنْزِلَ] یہ پہلے (مذکورہ بالا) "بِمَا اُنْزِلَ" کی طرح ہے۔ یہاں بھی بیشتر مترجمین نے "اُنْزِلَ" کا ترجمہ "نَزَلَ" کی طرح کر دیا ہے جو محاورے کی کسی سخت مجبوری کے بغیر قرآن کے الفاظ (نص) سے بظاہر تجاوز ہی بنتا ہے اگرچہ اس سے مفہوم اور معنی میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی۔

۲:۳:۱ (۴) [مِنْ قَبْلِكَ] یہ "مِنْ" (حرف جار بمعنی "سے") + قَبْل (ظرف بمعنی "پہلے") + "كَ" (ضمیر مجرور بمعنی "تجھ") کا مرکب ہے۔ ان (تین کلمات) میں سے لفظ "قَبْل" کا مادہ "ق ب ل" اور وزن "فَعْلٌ" ہے۔

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

(اگرچہ تنوین کے ساتھ اس کا استعمال شاذ ہے)۔ یہ (ق ب ل) ایک ایسا مادہ ہے جس سے ثلاثی مجرّد اور مزید فیہ کے کئی ابواب سے متعدد افعال (کے صیغے) قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں۔ تاہم یہ فعل والی بحث تو ہم اس مادہ سے کسی فعل کے استعمال کے موقع پر کریں گے ــــ (اور یہ موقع البقرہ : ۴۸ میں پہلی دفعہ آئے گا)۔ البتہ لفظ "قبل" کے استعمال کے متعلق چند امور کا ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے :۔

(۱) لفظ "قَبل" کے معنی "پہلے" ("بعد" کی ضد) ہیں ۔ یہ لفظ ظرف ہے کیونکہ اس میں وقت یا جگہ (زمان یا مکان سابق) کے معنی موجود ہیں اور یہ عموماً مضاف ہو کر آتا ہے ۔ اپنے مضاف الیہ سے پہلے یہ ہمیشہ منصوب (قبلَ) آتا ہے۔ مثلاً "قبلَ الفجر" (فجر سے پہلے) یا قبلَ المسجد (مسجد سے پہلے) (۲) اور اگر اس سے پہلے کوئی حرف جار آجائے (جو عموماً "مِنْ" لگتا ہے) تو یہ مضاف (قَبْل) مجرور ہو جاتا ہے مثلاً "مِنْ قَبْلِ الْفَجْرِ" (معنی وہی "فجر سے پہلے" ہی رہے گا)۔ (۳) اور اگر اس (قبل) کا مضاف الیہ مذکور نہ ہو (یعنی یہ نہ بتایا گیا ہو کہ کس سے پہلے) تو یہ لفظ (قبلُ) مبنی بر ضمہ (ہر حالت میں ضمہ (ــُـ) پر ختم ہونے والا) ہوتا ہے چاہے شروع میں حرف الجر بھی کیوں نہ ہو ــــ بلکہ اس صورت میں (مضاف الیہ مذکور نہ ہونے کی صورت میں) اس سے پہلے "مِن" ضرور آتا ہے ــــ مثلاً "مِنْ قبلُ" ــــ اس صورت میں اس کا اردو ترجمہ "پہلے ہی" یا "پہلے بھی" سے بھی کیا جاتا ہے۔

● لفظ "قبْل" کے استعمال کی یہ تینوں (مذکور بالا) صورتیں قرآن کریم میں بکثرت (کل ۲۴۲ دفعہ) استعمال ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ عربی زبان میں کبھی ــــ خاص شرائط کے ساتھ ــــ یہ لفظ تنوین نصب کے ساتھ یعنی "قبلاً" بھی استعمال ہوتا ہے تاہم اس کا یہ استعمال قرآن کریم میں نہیں آیا ــــ اردو میں چونکہ لفظ "قبل" اپنے عربی معنی (بعد کی ضد) میں مستعمل ہے مثلاً "قبلِ ظہر" یا "قبل از وقت" میں ــــ اس لئے "مِنْ قبلِکَ" کا ترجمہ "آپ سے قبل" اس اصول کی بنا

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

پر زیادہ مناسب ہے کہ : " اگر قرآن کریم کا کوئی لفظ اردو میں اپنے اصل معنوں کے ساتھ مستعمل اور متعارف ہو یا بلحاظ اشتقاق اس (قرآنی لفظ) سے قریب تر لفظ موجود ہو تو اس کا اردو ترجمہ اسی لفظ کے ساتھ کرنا زیادہ موزوں اور بہتر ہے"۔ تاہم عوام کے لئے شاید "قبل" کی بجائے "پہلے" کا لفظ زیادہ سہل اور زیادہ مانوس ہے۔

۲ : ۳ : ۱ (۵) [وَبِالْآخِرَةِ] دراصل "وَ" (واو عاطفہ بمعنی "اور") + بِ (باء الجر بمعنی "کے ساتھ / پر") + الاخرۃ (جس کے معنی ابھی بیان ہونگے) کا مرکب ہے۔ "الآخرۃ" کا لامِ تعریف ہٹا دیں تو اصل لفظ "آخرۃ" نکل آتا ہے۔ [یہ لفظ عام عربی املاء (رسم معتاد) ــــ بلکہ اردو میں بھی اسی طرح "آ" کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ اس کے قرآنی ضبط پر بات ابھی آ گے "الضبط" کی بحث میں ہو گی]۔ اس لفظ (آخرۃ) کا مادہ "اخ ر" اور وزن "فاعِلَۃٌ" ہے۔ یہ "آ" دراصل ءَ + ا = "فَا" ہے یعنی یہ "الف" بنائی (اشتقاق کا) ہے کسی "د" یا "ی" سے بدل کر نہیں بنا۔

- اس مادہ (أخر) سے فعل ثلاثی مجرد عربی میں استعمال ہی نہیں ہوتا۔ البتہ مزید فیہ کے بعض ابواب (تفعیل، تفعّل اور استفعال) سے بعض افعال اور کچھ دیگر مشتقات قرآن کریم میں آئے ہیں جن کا بیان اپنی اپنی جگہ پر آئے گا۔ "آخرۃ" اپنے وزن کے لحاظ سے مادہ "أ خ ر" سے اسم الفاعل (آخِرٌ) کا صیغۂ تانیث ہے۔ یہ لفظ اس لحاظ سے قابلِ توجّہ ہے کہ اسم الفاعل (بروزن "فاعل") تو ہمیشہ فعل ثلاثی مجرد ہی سے آتا ہے اور اس مادہ (أ خ ر) سے فعل ثلاثی مجرد استعمال ہی نہیں ہوتا جس کے معنی "پیچھے یا اخیر پر آنا" ہوں۔ تاہم اس کے اسم الفاعل میں یہی معنی موجود ہیں۔ یعنی اس کے اس صیغۂ تانیث کے معنی ہیں۔ "اخیر پر / پیچھے آنے والی"۔ چونکہ اردو میں لفظ "آخِر" (بمقابلۂ اوّل) اپنے عربی معنوں میں مستعمل ہے۔ اس لئے "آخرۃ" کا ترجمہ "(سب سے) آخر پر آنے والی" (بمقابلہ اُولیٰ) بھی کیا جا سکتا ہے۔
- اپنے معنی کے لحاظ سے لفظ "الآخرۃ" صفت (نعت) ہے۔ اس

© rasailojaraid

پر زیادہ مناسب ہے کہ : " اگر قرآن کریم کا کوئی لفظ اردو میں اپنے اصل معنوں کے ساتھ مستعمل اور متعارف ہو یا بلحاظ اشتقاق اس (قرآنی لفظ) سے قریب تر لفظ موجود ہو تو اس کا اردو ترجمہ اسی لفظ کے ساتھ کرنا زیادہ موزوں اور بہتر ہے "۔ تاہم عوام کے لئے شاید " قبل " کی بجائے " پہلے " کا لفظ زیادہ سہل اور زیادہ مانوس ہے۔

۲:۳:۱(۵) [وَبِالْاٰخِرَةِ] دراصل " وَ " (واو عاطفہ بمعنی " اور ") + بِ (باء الجر بمعنی " کے ساتھ/پر ") + الاخرۃ (جس کے معنی ابھی بیان ہونگے) کا مرکب ہے۔ " الآخرۃ " کا لامِ تعریف ہٹا دیں تو اصل لفظ " آخرۃ " نکل آتا ہے۔ [یہ لفظ عام عربی املاء (رسم معتاد) ـــــ بلکہ اردو میں بھی اسی طرح " آ " کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ اس کے قرآنی ضبط پر بات ابھی آگے " الضبط " کی بحث میں ہو گی]۔ اس لفظ (آخرۃ) کا مادہ " أ خ ر " اور وزن " فاعِلَۃٌ " ہے۔ یہ " آ " دراصل ءَ + ا = " ئَا " ہے یعنی یہ " الف " بنائی (اشتقاق کا) ہے کسی " و " یا " ی " سے بدل کر نہیں بنا۔

- اس مادہ (أخر) سے فعل ثلاثی مجرد عربی میں استعمال ہی نہیں ہوتا۔ البتہ مزید فیہ کے بعض ابواب (تفعیل، تفعّل اور استفعال) سے بعض افعال اور کچھ دیگر مشتقات قرآن کریم میں آئے ہیں جن کا بیان اپنی اپنی جگہ پر آئے گا۔ " آخرۃ " اپنے وزن کے لحاظ سے مادہ " أ خ ر " سے اسم الفاعل (آخِرٌ) کا صیغۂ تانیث ہے۔ یہ لفظ اس لحاظ سے قابلِ توجّہ ہے کہ اسم الفاعل (بروزن " فاعل ") تو ہمیشہ فعل ثلاثی مجرد ہی سے آتا ہے اور اس مادہ (أ خ ر) سے فعل ثلاثی مجرد استعمال ہی نہیں ہوتا جس کے معنی " پیچھے یا اخیر پر آنا " ہوں۔ تاہم اس کے اسم الفاعل میں یہی معنی موجود ہیں۔ یعنی اس کے اس صیغۂ تانیث کے معنی ہیں۔ " اخیر پر/پیچھے آنے والی "۔ چونکہ اردو میں لفظ " آخِر " (بمقابلۂ اوّل) اپنے عربی معنوں میں مستعمل ہے۔ اس لئے " آخرۃ " کا ترجمہ " (سب سے) آخر پر آنے والی " (بمقابلہ اُولیٰ) بھی کیا جا سکتا ہے۔
- اپنے معنی کے لحاظ سے لفظ " الآخرۃ " صفت (نعت) ہے۔ اس

© rasailojaraid
© rasailojaraid

لئے یہاں ایک موصوف محذوف یا مقدر (UNDERSTOOD) ہے۔ یعنی "الدار الآخرۃ" یا "الحیاۃ الآخرۃ" یا "النشأۃ الآخرۃ" (آخری پیدائش) یعنی مرنے کے بعد آنے والی زندگی۔ قرآن کریم میں یہ لفظ ہر جگہ معرّف باللام ہی آیا ہے۔ جس میں "لام" عہد کا ہے یعنی وہ آخری زندگی جس پر ایمان لانا دین اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اور جس کا ذکر (قرآن کریم میں) بار بار آیا ہے۔

● اور اپنے ان (مذکورہ بالا) معنوں کے لحاظ سے یہ لفظ "الآخرۃ" ایک اسلامی اصطلاح ہے جو اسلام نے عربی زبان کو دی ہے اور جس کے مفہوم اور معنی کی قرآن کریم نے تفصیل اور تکرار کے ساتھ وضاحت کر دی ہے۔ [اور "آخرۃ" کے ان معنوں کو کفار مکہ بھی سمجھتے تھے اور اسی لئے وہ (ان معنوں کے لحاظ سے ہی) آخرت کا انکار کرتے تھے یعنی آخرت کی زندگی۔ مرنے کے بعد آنے والی زندگی کے ہی تو وہ منکر تھے] - اور اپنے ان ہی — اسلامی اصطلاحی معنوں میں یہ لفظ اردو، فارسی اور ترکی میں "آخرت" کی املاء کے ساتھ مستعمل ہے۔ اور بہت سی اسلامی زبانوں میں اس کا لفظی ترجمہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اور یہی وجہ ہے کہ اردو فارسی کے تمام مترجمین نے اس کا ترجمہ "آخرت" ہی کیا ہے۔

● قرآن کریم میں لفظ "الآخرۃ" ایک سو پندرہ (۱۱۵) جگہ آیا ہے۔ مفرد بھی اور ترکیب توصیفی یا اضافی کے ساتھ بھی اور قریباً ہر جگہ اس کے یہی اصطلاحی اسلامی معنی مراد ہیں۔ ماسوائے ایک دو مقام کے جہاں سیاقِ کلام اصطلاحی کی بجائے لفظی معنوں کا تقاضا کرتا ہے۔

مثلاً ایک جگہ (صٓ : ۷) پر "المِلّۃ الآخرۃ" (آخری ملت) کی ترکیب آئی ہے اور دوسری جگہ (الاسراء : ۱۰۴) پر "وعد الآخرۃِ" کی ترکیب آئی ہے جس میں لفظی اور اصطلاحی دونوں معنی کی گنجائش موجود ہے۔ ان کی وضاحت تو اپنی اپنی جگہ پر ہی کی جائے گی یہاں "الآخرۃ" کے اصطلاحی معنی کے "اسلامی مسلّمات" میں سے ہونے کی یہ تفصیلی بات ہمیں اس لئے کرنا پڑی کہ بعض گمراہوں

© rasailojaraid

© rasailojaraid

نے اپنی اغراض کے لیئے اس لفظ " آخرۃ " کو من مانے معنی پہنانے کی کوشش کی ہے اور وہ بھی قرآن کے حوالے سے (گویا بظاہر انہوں نے قرآن ہی کا "مفہوم" سمجھنے یا سمجھانے کا " فریضہ " سرانجام دیا ہے) ــــ قادیانیوں اور منکرینِ سنّت نے اپنی اپنی اغراض کے لئے یہاں (آیت زیرِ مطالعہ میں اور بعض دیگر مقامات پر بھی) "آخرت" کی اسلامی اصطلاح کے استعمال سے گریز کیا ہے۔ قادیانیوں نے تو یہاں " آئندہ ہونے والی (موعود) باتیں" مراد لی ہیں جس میں تعلیماتِ قرآن و اسلام سے بغاوت کے علاوہ لُغت و اشتقاق کے لحاظ سے بھی " پھسڈی پن" بلکہ "باطنیت" نمایاں ہے۔ منکرینِ سنّت نے اس (آخرت) کے لئے " نئی زندگی " اور "مستقبل" کے ذومعنی لفظ اختیار کئے ہیں ــــ اسلامی اصطلاحات سے اس فرار کے محرکات اور مضمرات کو جاننے کے لئے " دس من عقل " درکار نہیں ہے۔

● اور لفظ " بِالآخرۃ " میں باء الجر (بِ) اسے آگے آنے والے فعل " یوقنون " سے متعلق کرتی ہے یا اس فعل کے صلہ کے طور پر آئی ہے۔

۲ : ۳ : ۱ (۶) [هُمْ يُوْقِنُوْنَ] میں " هُمْ " تو جمع مذکر غائب کی ضمیر ہے بمعنی " وہ (سب) " اور " یوقنون " کا مادہ " ی ق ن " اور وزنِ اصلی " یُفْعِلُوْن " ہے۔ " اس کی اصلی شکل بلحاظ وزن " یُیْقِنُوْن " ہے۔ جس میں تعلیل صرفی کے قاعدہ [یائے ساکنہ ماقبل مضموم واؤ میں بدل جاتی ہے] کی بنا پر ــــ یا اہلِ عرب کے نطق کے مطابق ــــ ساکن یاء کو " واو " میں بدل دیا گیا ہے۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرّد " یقِنَ یَیْقَنُ یَقْنًا (باب سمع سے) آتا ہے اور اس کے معنی ہیں : " واضح اور ثابت ہونا " یعنی یہ فعل لازم ہے ۔ اور اسی سے لفظ " یقین " بروزن فَعِیل بمعنی فاعل آتا ہے یعنی " واضح اور ثابت ہونے والی چیز " ــــ اور اسی ثلاثی مجرد سے کبھی صلہ کے بغیر اور کبھی " بِ " کے صِلہ کے ساتھ یہی فعل بطور متعدی بھی آتا ہے۔ مثلاً " یَقِنَ الامرَ و بالامرِ " کے معنی ہیں : " ...... کا یقین رکھنا " ، " ...... کو یقینی (قطعی) جاننا " ، "

© rasailojaraid

کے بارے میں کوئی شک نہ ہونا"۔ تاہم قرآن کریم میں اس مادہ (یقن) سے کوئی فعل ثلاثی مجرد کسی معنی میں کہیں بھی استعمال نہیں ہوا۔ البتہ مزید فیہ کے بعض ابواب (مثلاً اِفعال اور استفعال) سے کچھ افعال اور بعض مشتقات آئے ہیں جن کا بیان اپنی اپنی جگہ پر آئے گا۔

● "یُوْقِنُوْنَ" اپنے وزن کے اعتبار سے اس مادہ (یقن) سے باب "اِفعال" کے فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے۔ اَیْقَن ...... یُوْقِنُ (دراصل یُیْقِنُ) ایقاناً کے معنی بھی "...... کا یقین رکھنا" اور "...... کو یقینی (قطعی) جاننا" ہیں۔ یعنی یہ فعل متعدی ہی ہوتا ہے۔ البتہ کبھی صلہ کے بغیر اور کبھی "با" (بِ) کے صلہ کے ساتھ آتا ہے یعنی "اَیقن الامر و بالامرِ"۔ قرآن کریم میں یہ فعل (ایقن) عموماً "بِ" کے صلہ کے ساتھ ہی آیا ہے (پانچ جگہ) ــــ مفعول بنفسہ کے ساتھ کہیں نہیں آیا۔ البتہ بعض مقامات پر (کُل چھ جگہ) مفعول کو محذوف کر دیا گیا ہے جو عبارت میں خود بخود سمجھا جاتا ہے۔ اس کی مثالیں آگے چل کر ہمارے سامنے آئیں گی۔

© rasailojaraid.c

۲:۳:۲ الإعراب

[وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ④]

یہ آیت (ع۴) جو کُل دو جملوں پر مشتمل ہے سابقہ آیت (ع۳) پر معطوف ہے۔ چاہے اسے "المتّقین" (آیت ع۲) کا بدل یا صفت قرار دیں یا الگ جملہ مانیں جس کی خبر اگلی آیت (ع۵) بنتی ہے۔ آیت زیرِ مطالعہ میں [والذین] میں واوِ عاطفہ (بمعنی "اور") ہے اور "الذین" اسم موصول (جمع مذکر) ہے۔ اس (والذین سے شروع ہونے والے جملے) کا عطف بہر حال پچھلی آیت (ع۳) میں "الذین یؤمنون" سے شروع ہونے والے جملے پر ہے ــــ خود

© rasailojaraid.c

وہ جملہ چاہے الگ جملہ سمجھا جائے یا " المتقین " (آیت ۲) کی صفت یا اس کا بدل سمجھا جائے [اس " الذین " (آیت ۳) کے تین ممکن اعراب کی بات بھی پہلے ہو چکی ہے۔ دیکھئے ۲ : ۲ : ۲]۔

● یُؤْمِنُوْنَ ...... سے لے کر ...... یُوْقِنُوْنَ۔ تک دراصل دو جملے بنتے ہیں اور یہ دونوں جملے اس (ابتداء آیت میں آنے والے) " والذین " کا صلہ بنتے ہیں۔ اور اس " صلہ " کا نحوی یا اعرابی تجزیہ اس طرح ہے:۔

[یُؤْمِنُوْن] فعل مضارع مع ضمیر فاعل مستتر " ھم " ہے اور [بما] جار مجرور (بِ + ما) ہے جس میں " ما " موصولہ ہے اور یہ جار مجرور فعل " یُؤْمنون " سے متعلق ہیں۔ یا " ب " اس فعل کا صلہ ہے۔ ترجمہ ہو گا " ایمان رکھتے ہیں / لاتے ہیں۔ اس پر جو کہ " [اُنْزِلَ] فعل ماضی مجہول ہے جس میں نائب الفاعل ضمیر " ھو " مستتر (پوشیدہ) ہے۔ جس کا مرجع یہی اسم موصول " مَا " ہے جس کا ترجمہ " جو کہ اتارا گیا " بھی ہو سکتا ہے۔ اور اگر " ما " کے عموم کو مدِّ نظر رکھیں تو " جو کچھ بھی کہ اتارا گیا " کر سکتے ہیں [اِلَیْکَ] جار مجرور (الی + ك) فعل " اُنزل " سے متعلق ہے۔ اس طرح یہ پورا حصہ آیت " بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ " فعل " یُؤْمنون " سے متعلق بھی ہو سکتا ہے یعنی اس میں اُن کے ایمان لانے کی وضاحت ہے کہ کس پر ایمان لائے؟۔ اور اگر " بِمَا " کی " بِ " کو یُؤْمنون کا صلہ سمجھیں (کیونکہ " ایمان لانا " کے معنوں میں یہ اس صلہ کے ساتھ ہی آتا ہے) تو " بما اُنزِل الیك " کو مفعول سمجھ کر محلاً منصوب بھی کہہ سکتے ہیں۔ بہر حال اس (ترکیب کے فرق) سے اردو ترجمہ میں کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا " یعنی یومنون بما انزل الیك = وہ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو کچھ بھی کہ اتارا گیا تیری طرف "

● [وَ] عاطفہ [مَا] موصولہ جو پہلے والے مَا پر معطوف ہے گویا دراصل یہ بھی " بما " ہے۔ [اُنْزِلَ] مثل سابق فعل ماضی مجہول مع ضمیر نائب الفاعل

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

"ھو" برائے "ما" ہے اور [مِنْ] حرف جار اور [قَبْلِكَ] مرکّب اضافی ہے جس میں "قبلِ" مجرور بالجر (من) مضاف ہے اور "كَ" ضمیر مجرور مضاف الیہ ہے۔ اس طرح یہ حصّۂ آیت "وما انزل من قبلك" فعل "یؤمنون" کے مفعول (یا متعلق فعل) پر معطوف ہے یعنی "وہ ایمان رکھتے ہیں" "ما انزل الیك" (جو کچھ بھی اتارا گیا تیری طرف) پر اور "ما انزل مِن قَبْلِكَ" (جو کچھ اتارا گیا تجھ سے پہلے) پر" ـــ [وَبِالْاٰخِرَةِ] میں واو عاطفہ بمعنی "اور" ہے اور "بالْاٰخرةِ" جار مجرور (ب + الاخرةِ) ہے اور فعل "یوقنون" (جو آگے آرہا ہے) سے متعلق ہے یا اگر "باء" (بِ) کو یہاں بھی اس فعل کا صلہ قرار دیں تو مفعول بن کر محلاً منصوب بھی ہو سکتا ہے۔ [هُمْ] ضمیر مرفوع منفصل یہاں مبتدأ ہے اور [یُوقِنُونَ] فعل مضارع معروف جمع مذکر مطابق مبتدأ ـــ مع ضمیر فاعل مستتر (ھم) جملہ فعلیہ ہو کر "هُمْ" کی خبر ہے۔ گویا آیت کے اس آخری حصّہ کی سادہ نثر (PARAPHRAZING) یوں بنتی ہے "وھم یوقنون بالاٰخرة" (وہ یقین رکھتے ہیں آخرت پر) مگر فواصل (آیت کا آخری لفظ) کی رعایت سے الفاظ کی تقدیم و تاخیر ہوئی ہے ـــ کلمات کی یہ تقدیم و تاخیر ایک ادبی حُسن بھی پیدا کرتی ہے اور کسی خاص لفظ کے معنی پر زور اور تاکید کو بھی ظاہر کرتی ہے۔ مثلاً یا "بالاٰخرة" کے پہلے لانے سے ایک طرح سے "خصوصاً آخرت پر" یا "آخرت پر بھی" کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ اکثر مترجمین نے یہاں "بالاٰخرة" کا ترجمہ "آخرت پر بھی" یا "آخرت کا بھی" اور "یوقنون" کا مصدری ترجمہ "پورا یقین رکھنا، یقین جاننا، یقینی جاننا یا یقین کرنا" سے کیا ہے جو سب ہم معنی ہیں۔

۲ : ۳ : ۲ الرسم

"والذین یومنون بما انزل الیك وما انزل من قبلك وبالاخرة

© rasailojaraid.co

هم یوقنون "۔

اس پوری آیت (۴) میں رسم عثمانی کا کوئی خاص مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس کی املاء عام قیاسی املاء ہی ہے البتہ لفظ " بالاخرۃ " کے بارے میں چند امور قابلِ ذکر ہیں :۔

● اسے لکھتے وقت " بِ " کو ھمزۃ الوصل کے ساتھ ملا کر لکھتے ہیں (بالغیب کی طرح)۔ اور لفظ " آخرۃ " (اور اس قسم کے دوسرے الفاظ میں بھی) قاعدۂ املاء یہ ہے کہ —— جب ھمزۃ القطع (مفتوحہ) کے بعد " الف " آئے تو لکھنے میں ایک کو حذف کر دیا جاتا ہے اگرچہ پڑھا جاتا ہے یعنی " ءا " کو صرف " ا " لکھا جاتا ہے[1] اس طرح مکتوبی صورت میں یہ لفظ " اخرۃ " ہی رہ جاتا ہے جسے لام تعریف کے ساتھ ملا کر لکھنے سے یہ لفظ " الاخرۃ " کی شکل اختیار کرتا ہے۔

● مگر " لام " کے بعد آنے والا یہ الف یہاں اس " لام " کو مدّ نہیں دیتا یعنی اسے " لا " نہیں پڑھا جاتا کیونکہ یہ لام مفتوح نہیں بلکہ ساکن ہے۔ البتہ یہ " الف " اپنے سے پہلے والے (محذوف) ھمزۃ القطع کو مدّ دیتا ہے یعنی اسے " ءا " پڑھا جاتا ہے جسے عام عربی املاء میں " آ " لکھتے ہیں۔ (اس کے " ضبط " پر بات آگے آ رہی ہے)۔

● اس سے پہلے " یؤمنون بالغیب " کے رسم کی بحث میں بھی ہم مختصراً لکھ آئے ہیں کہ اصل رسم عثمانی میں (یعنی مصاحفِ عثمانیہ میں) بلکہ اس زمانے (عہدِ راشدین تک) کی عام عربی تحریر میں بھی ھمزہ کے لئے کوئی علامت یا صورت مقرر نہیں تھی۔ البتہ کسی کلمہ کی ابتداء میں آنے کی صورت میں اسے بصورت " الف " (ا) ہی لکھا جاتا تھا —— (اور اب بھی اسی طرح لکھا جاتا ہے) چاہے وہ ھمزۃ

---

[1] اور علماء رسم نے یہاں یہ دلچسپ بحث بھی کی ہے کہ یہاں محذوف پہلا ھمزہ (مفتوحہ) ہے۔ یا دوسرا (الف) ہے بہر حال یہ صرف علمی بحث ہے اصل املاء پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ چاہیں تو مزید بحث کے لئے دیکھئے نثر المرجان ج ۱ ص ۱۰۳ ۔

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

الوصل ہوتا یا ہمزۃ القطع یا ہمزۂ ممدودہ ہوتا جیسے " الذین " ، " انعمت " یا " ادم " (آدم) میں ــــــ کسی کلمہ کے درمیان یا آخر پر آنے والے ہمزہ کے لئے (جو قطع کا ہی ہوتا ہے) قطعاً کوئی تحریری علامت نہیں ہوتی تھی مثلاً " اَنۡبِـُٔوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓـؤُلَآءِ " (البقرۃ : ۳۱) کو " اسونی باسما ھولا " کی شکل میں لکھا گیا تھا ۔ یعنی اس میں حروف کے نقطے بھی نہیں تھے ۔ علاماتِ ضبط (حرکات ، سکون ، شد وغیرہ) بھی نہیں تھیں اور ہمزہ کے لئے بھی سرے سے کوئی علامت نہیں تھی ۔ اس زمانے میں لوگ اپنی زبان دانی کی بنا پر ــــــ اور اس وجہ سے بھی کہ قرآن کریم کا پڑھنا محض کتابت یا تحریر پر منحصر نہ تھا بلکہ ــــــ ہر کلمہ استاد سے زبانی سُن کر (بذریعہ تلقی وسماع) سیکھا جاتا تھا ــــــ اس کی بنا پر کلمات کو اس طرح ٹھیک پڑھ لیتے تھے جیسے ہم انگریزی میں CUT , PUT READ کی قسم کے لفظوں کا درست تلفظ املاء (SPELLING) کی بنا پر نہیں بلکہ استاد کی زبانی تعلیم کی بنا پر جان لیتے ہیں ۔

● بعد میں جب غیر عربوں کے لئے اِعجام (مشابہ حروف کو نقطوں سے متمیز کرنا جیسے ب ، ت ، ث وغیرہ) اور ضبط (حروف پر حرکات ڈال کر ان کی آواز یا تلفظ متعین کرنا جیسے " مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ " میں حرکاتِ ثلاثہ ، سکون اور شد جمع ہیں) ایجاد کئے گئے تو ہمزہ کے لئے بھی علامت مقرر کرنے کی ضرورت پڑی ۔ چنانچہ مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں اس کے لئے مختلف علامات کا رواج ہو گیا ۔ مثلاً آج کل مختلف ملکوں میں اس کی رائج صورتیں عموماً یہ ہیں : [ء ، ٤ ، ﻙ ، E اور ● یا •] بڑے گول نقطے کی صورت میں ہمزۃ الوصل کے لئے سبز گول نقطہ اور ہمزۃ القطع کے لئے زرد گول نقطہ اختیار کیا جاتا تھا ــــــ اس کے بعد پڑھنے کے لئے ہمزہ کی صورت پر علاماتِ ضبط ڈالی جانے لگیں ۔ جن کا طریقہ (بعض دفعہ) قرآنی املاء کے لئے جدا اور عام عربی املاء کے لئے جُدا ہے ۔ مثلاً اسی ہمزۂ مفتوحہ + الف کو عام عربی املاء میں " آ " لکھتے ہیں ۔ مگر قرآن کریم میں اُسے عرب اور افریقی ممالک میں " ءَا "

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

"ءَا" ، "ءآ" یا "ءا" کی شکل میں لکھتے ہیں۔ ایشیائی ممالک میں اسے عموماً "آ" لکھتے ہیں۔ اس کی مزید وضاحت (خصوصاً اسی لفظ "بالاخرۃ" کے ضمن میں) آگے "الضبط" والی بحث کے تحت آئے گی۔

۳:۲: ۴ الضبط

(وَالذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالاخرۃ ھم یوقنون)

آیت زیرِ مطالعہ میں اختلافِ ضبط میں حسب ذیل امور توجہ طلب ہیں :-

(۱) ھمزۃ الوصل کی علامت ڈالنے نہ ڈالنے اور ڈالنے کی صورت میں اس کی شکل کا اختلاف۔ اس اختلاف کا اثر کلمات "الذین" اور "بالاخرۃ" کے ضبط میں ظاہر ہوگا۔

(۲) ھمزۃ القطع کی علامت (قطع) ڈالنے نہ ڈالنے اور ڈالنے کی صورت میں اس کی شکل کا فرق۔ ابتدائی ھمزۃ القطع (بصورت الف) پر علامتِ قطع ڈالنے کا رواج صرف عرب اور افریقی ملکوں میں ہے۔ وسطی یا آخری ھمزہ پر علامتِ قطع ہر ملک کے مصاحف میں ڈالی جاتی ہے البتہ اس کی شکل مختلف ہوتی ہے اس اختلاف کا اثر کلمات "یؤمنون"، "اُنزل" اور "اِلیک" میں ظاہر ہوگا۔

(۳) واو ساکنہ ماقبل مضموم پر علامتِ سکون صرف برصغیر میں ڈالی جاتی ہے۔ اس اختلاف کا مظہر "یؤمنون" اور "یوقنون" کا طریقِ ضبط ہوگا۔

(۴) یائے ساکنہ ماقبل مکسور پر علامتِ سکون صرف برصغیر میں ڈالی جاتی ہے اور اس کے ماقبل مکسور کی علامتِ کسرہ کی بجائے علامت اشباع (کھڑی زیر) صرف ایران اور ترکی میں ڈالتے ہیں۔ اس کا اثر یہاں صرف کلمہ "الذین" کے ضبط پر ہوگا۔

(۵) الف ساکنہ ماقبل مفتوح کے اس ماقبل حرف پر علامتِ فتحہ کی بجائے علامتِ اشباع بصورت کھڑی زبر (ـٰ) ڈالنے کا رواج صرف ایران میں ہے۔ اس کا

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

نمونہ کلماتِ " بِما " اور " ما " میں نظر آئے گا ۔

(٦) نون ساکنہ مخفاۃ (ساکن نون جس کے بعد کوئی حرفِ اخفاء ہو) پر علامتِ سکون ڈالنے نہ ڈالنے کا فرق ۔ عرب اور افریقی ملکوں میں ایسے نون کو علامتِ سکون سے خالی رکھا جاتا ہے ۔ تمام مشرقی ممالک میں یہ علامتِ سکون ڈالی جاتی ہے ۔ البتہ بعض جگہ اخفاء کے لئے کوئی اور علامت ساتھ بنا دی جاتی ہے ۔ مثلاً چین میں ایسے نون ساکنہ کی علامتِ سکون کے اوپر تین باریک نقطے ڈال دیتے ہیں ۔ پاکستانی تجویدی قرآن میں اس کے لئے ایک خاص علامتِ سکون " ہ " تجویز کی گئی ہے ۔ اس اختلاف کا اثر آیتِ زیرِ مطالعہ کے کلمات " انزل " اور " من قبلک " کے ضبط میں ظاہر ہوگا ۔

(٧) نون متطرفہ (کسی کلمہ کے آخر میں آنے والے " ن ") کو اعجام (نقطہ) سے خالی رکھنا یا اس کے موضع (جگہ) کا فرق ۔ یہ بات صرف افریقی ممالک کے مصاحف میں ملحوظ رکھی جاتی ہے ۔ اس اختلاف کا اثر کلمات " الذین " ، " یومنون " اور " یوقنون " میں ظاہر ہوگا ۔

(٨) افریقی ممالک میں " ف " کو " ب " اور " ق " کو " ف " لکھنے کا فرق ۔ اس کا نمونہ آپ " قبلک " اور " یوقنون " میں دیکھیں گے ۔

(٩) علامتِ قلقلہ ڈالنے کا رواج کسی ملک میں نہیں ہے ۔ صرف پاکستانی " تجویدی قرآن " میں اس کے لئے ایک خاص علامتِ سکون " ٨ " وضع کی گئی ہے جہاں اس کو لفظ " قبلکَ " کی " با " پر استعمال کیا گیا ہے ۔

(١٠) آیتِ زیرِ مطالعہ میں لفظ " بالاخرۃ " کے ضبط کے سلسلے میں دو تین امور قابلِ ذکر ہیں (١) " بِ " کے ساتھ والا الف دراصل ھمزۃ الوصل ہے لہٰذا جن ملکوں میں علامتِ وصل (صہ) ڈالنے کا رواج ہے ان میں آپ کو اس الف پر یہ علامت (ٱ یا أ) لکھی نظر آئے گی ۔ (٢) سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ " لا " یا " لا " کے بارے میں علمائے ضبط میں یہ اختلاف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوا کہ اس میں کونسا سرا "ل" ہے اور کون سا "ا" (الف) ہے۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ اہلِ مغرب (اندلس اور افریقی ممالک) تو "لا" کے پہلے سرے ① کو "الف" اور دوسرے سرے ② کو "ل" سمجھتے ہیں۔ اور اہلِ مشرق اس کے برعکس پہلے سرے ① کو "ل" اور دوسرے سرے ② کو "الف" سمجھتے ہیں "لا"۔ (۳) ابھی بیان ہو چکا ہے کہ "ءَ + ا" جمع ہونے کی صورت میں صرف "ا" لکھا جاتا ہے مگر اسے پڑھنے کے لئے محذوف ہمزہ مفتوحہ کو ضبط کے مختلف طریقوں سے ظاہر کیا جاتا ہے (ءَا ، ءَا ، اٰ یا •ا یا آ کی صورت میں)۔ "بالاخرۃ" کے لام کے بعد آنے والے "ا" (الف) کی تعیین کے فرق کی وجہ سے۔ (کیونکہ رسم تو ہر صورت میں وہی "بالاخرۃ" ہی ہے) ــــ اسے پڑھنے کے لئے علامتِ ضبط مختلف طریقے پر لگتی ہیں۔ مزید یہ کہ ـ جیسا کہ ابھی اوپر بیان ہوا ہے ـ "اخرۃ" کے الف سے پہلے ہمزہ مفتوحہ ظاہر کرنے کے طریقے بھی مختلف ہیں۔ مشرقی ممالک میں اسے "اٰ" سے ظاہر کرتے ہیں۔ عرب ملکوں میں "ءَا" سے اور افریقی ملکوں میں اسے "•ا" کی صورت میں لکھتے ہیں۔ (o سے مراد زرد رنگ کا گول نقطہ ہے) عام عربی املاء میں اسے "آ" لکھتے ہیں۔ اس اختلاف کی وجہ سے مشرقی ممالک مصاحف میں "بِالْاٰخِرَةِ" لکھتے ہیں۔ عرب ممالک کے مصاحف میں اسے "بِالْءَاخِرَةِ" اور افریقی مصاحف میں اسے "بِاۤلْاٰخِرَةِ" یا "بِا•لْاٰخِرَةِ" لکھتے ہیں جب کہ عام عربی املاء میں اسے "بِالآخِرَة" لکھا جاتا ہے۔

● اس طرح مجموعی طور پر آیت زیر مطالعہ کے کلمات کے ضبط کی مندرجہ ذیل صورتیں سامنے آتی ہیں:۔

وَالَّذِيْنَ   وَالَّذِينَ   وَالَّذِيْنَ   وَالَّذِينَ

يُؤْمِنُوْنَ ، يُؤْمِنُونَ ، يُؤْمِنُونَ ، يُؤْمِنُونَ

© rasailojarai

بِمَا ، بِمَا ، بِمَا

أُنْزِلَ ، أُنْزِلَ ، أُنْزِلَ ، اُءنزِلَ ، اُنزِلَ

اِلَيْكَ ، اِلَيْكَ ، اِلَيْكَ ، اِلَيْكَ

وَمَا ، وَمَا ،

أُنْزِلَ (مثل سابق)

مِنْ قَبْلِكَ ، مِنْ قَبْلِكَ ، مِنْ قَبْلِكَ ، مِنْ قَبْلِكَ

وَبِالْآخِرَةِ ، بِالْآخِرَةِ ، بِالْآخِرَةِ ، بِالْآخِرَةِ

هُمْ ، هُمْ

يُوْقِنُوْنَ ، يُوْقِنُوْنَ ، يُوْقِنُوْنَ ، يُوْقِنُوْنَ

بقیہ: اسلامی کا معاشی نظام

سخت ہو جاتا ہے — اور آدمی بغیر دانتوں اور پنجوں کے درندہ بن جاتا ہے" لہٰذا سودی لعنت کی نفی کر کے اسلام نے دولت کی پاکی کا جو انتظام کر رکھا تھا اُس کا ذکر ابلیس اپنے مشیروں سے ان الفاظ میں کرتا ہے کہ ؎

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک وصاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں

اور پاکیٔ دولت کا یہی وہ کلیہ تھا جسے طاغوت نے نہایت سفاکی کے ساتھ انسانیت کے ہاتھوں سے اچک لیا۔ مزید آگے بڑھیے اور دیکھیے معاشرتی نظامِ اسلامی میں طاغوت نے کیسی کیسی کارستانیاں دکھائیں۔

© rasailojaraid.com